احرار کو مباہلہ کا چیلنج اور اس کی مزید تشریح مسجد شہید گنج کی خاطر جماعت احمدیہ ہر ممکن اور جائز قربانی کرنے کیلئے تیار ہے

(فرمودہ ۶ ستمبر ۱۹۳۵ء)

تشہّد ، تعوّذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا۔

میں نے پچھلے خطبہ جمعہ میں یہ بتایا تھا کہ ہمیشہ سچائی کے منکر جھوٹ سے کام لیتے ہیں اور جب سچائی میں عیب معلوم نہیں کر سکتے تو عیب بناتے اور اختراع کرتے ہیں اور ان کو پھیلا کر سچائی کے حاملین اور متبعین پر اعتراضات کر کے انہیں بدنام کرتے ہیں۔ میں نے دو باتیں بیان کی تھیں اور ان کے متعلق یہ تجویز بتائی تھی کہ اگر احرار یہ یقین رکھتے ہیں کہ ہم رسول کریم ﷺ کی ہتک کرتے ہیں تو وہ اس کے فیصلہ کے لئے دو میں سے ایک صورت اختیار کر سکتے ہیں یا تو وہ ان سینکڑوں ، ہزاروں ہندوؤں اور سکھوں میں سے جن سے احمدیوں کو واسطہ پڑتا ہے اور وہ انہیں علیحدگی میں تبلیغ کرتے ہیں ، پانچ سَو یا ہزار چُن کر انہیں اس کلام کی جس پر وہ ایمان رکھتے اور جسے مقدس سمجھتے ہیں قسم دیں کہ اگر وہ جھوٹ بولیں تو ان پر اور ان کے بیوی بچوں پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہو۔ اور پھر ان سے دریافت کریں کہ احمدی علیحدگی میں اور تخلیہ میں ان سے جو گفتگو کرتے رہے ہیں ، اس سے رسول کریم ﷺ کی ہتک ظاہر ہوتی ہے یا عزت ؟ دوسری تجویز دونوں امور کے متعلق یہ تھی کہ مباہلہ کر لیں اور اس طرح اللہ تعالیٰ سے فیصلہ چاہیں۔ اوّل اس پر کہ احمدی رسول کریم ﷺ کی ہتک کرتے ہیں یا عزت ؟ اور دوسرے اس پر کہ خانہ کعبہ کو بُرا کہتے ہیں اور اس کا احترام نہیں کرتے یا تمام دیگر مقامات

سے اعلیٰ اور مقدس سمجھتے ہیں؟ ان دونوں امور کے لئے میں نے مباہلہ کا چیلنج دیا تھا کیونکہ ہم پر یہ ایک مذہبی اتہام ہے اور اس بارہ میں ان کا جھوٹ بہت سے لوگوں کو گمراہ کرسکتا ہے۔ میں نے ان کے اخبار میں پڑھا ہے کہ مولوی مظہر علی صاحب اظہر قادیان آئیں گے اور یہاں آکر اِس کا جواب دیں گے۔ میں نہیں سمجھتا جو جواب وہ یہاں آکر دیں گے وہ کس طرح درست ہوسکتا ہے۔ میرا خطبہ تو اخبار میں چھپ جاتا ہے اور اس طرح وہ ایسا ہی ہوتا ہے جیسا اخباروں میں کوئی مضمون چھاپ دیا جائے۔ بلکہ مجھے اس میں سہولت ہوتی ہے میں بولتا جاتا ہوں اور لکھنے والے لکھتے جاتے ہیں۔ مگر اس کا جواب وہ آجکل کوئی نہیں دیتے بلکہ اعلان کرتے ہیں کہ ۱۳ تاریخ کو قادیان آکر مسجد میں جواب دیں گے۔ اس مسجد میں کہ جس میں جب ہمارا رپورٹر رپورٹ لینے کے لئے گیا تو پولیس کے ذریعہ اُسے نکال دیا گیا اور گرفتار کرلینے کی دھمکی دی گئی۔ وہ دھمکی جس کے متعلق مسٹر بائڈ نے کونسل کے ایک ممبر کو جواب دیا ہے کہ کبھی بھی کسی احمدی کو اس مسجد میں جانے سے نہیں روکا گیا۔ حالانکہ اس بات کو کہ احمدی رپورٹروں کو روکا گیا یہاں کے سینکڑوں لوگ جانتے ہیں اس سے پتہ لگ سکتا ہے کہ حکومت کے سامنے کس قسم کی رپورٹیں کی جاتی ہیں۔ میں نہیں مان سکتا کہ مسٹر بائڈ نے یہ بات اپنے پاس سے بنالی ہو۔ ہم کو ان سے کبھی شکوہ پیدا نہیں ہؤا۔ پس انہوں نے جو کہا اپنے علم کے مطابق سچ کہا اور اس کا مطلب یہ ہے کہ نیچے سے اُن کو جھوٹی اطلاعات دی گئی ہیں ورنہ وہ کبھی تحریر میں ایسی باتیں نہ لاتے جسے قادیان کا بچہ بچہ جانتا ہے کہ غلط ہے۔ زبانی طور پر احمدی رپورٹر کو وہاں سے نکالنے کے علاوہ احمدیوں کو تحریری نوٹس بھی دیا گیا تھا کہ ان کے رپورٹر اس مسجد میں گئے تو ان پر ۱۰۷ کا مقدمہ چلایا جائے گا۔ یہ نوٹس مجسٹریٹ علاقہ کی طرف سے تھا اور ناظر امور عامہ اور لوکل انجمن کے پریذیڈنٹ میر قاسم علی صاحب کو دیا گیا تھا۔

بہرحال ایک ایسی مسجد جہاں احمدیوں کو جاکر نوٹ لینے کی بھی اجازت نہیں اُس میں کھڑے ہو کر کوئی اعلان کرنے کے معنی سوائے اِس کے کیا ہوسکتے ہیں کہ وہاں فخریہ طور پر کہہ دیا جائے کہ آؤ اور مقابلہ کرلو۔ اور غرض صرف یہ ہو کہ وہاں نہ کوئی آنے جانے والا ہوگا اور نہ اس چیلنج کا جواب دے گا۔ علاوہ ازیں اس موقع پر دوسرے احرار لیڈر بھی نہ ہوں گے جن کا مباہلہ میں شامل ہونا ضروری ہے۔ میری طرف سے چیلنج بالکل واضح ہے اور اس میں کوئی ایسی بات نہیں جسے کوئی معقول آدمی ردّ کرسکے۔

ان کا مرکز لاہور ہے اور میں نے تسلیم کر لیا ہے کہ ہم وہاں آ جائیں گے۔ گورداسپور پر انہیں بہت فخر ہے اور میں نے کہہ دیا ہے کہ ہم وہاں آ جائیں گے۔ پھر ہم نے ان پر دوسرے مسلمانوں میں سے کوئی خاص شخصیت پیش کرنے کی قید نہیں لگائی۔ جماعت احمدیہ کا امام مباہلہ میں شامل ہوگا، اس کے بھائی ہوں گے، صدر انجمن کے ناظر ہوں گے اور تمام بڑے بڑے ارکان ہوں گے۔ ان کے علاوہ پانچ سَو یا ہزار دوسرے معزز افرادِ جماعت بھی ہوں گے۔ احرار کے متعلق مَیں نے صِرف یہ کہا ہے کہ احرار کے پانچ لیڈر یعنی مولوی مظہر علی صاحب اظہر، چوہدری افضل حق صاحب، مولوی عطا اللہ صاحب، مولوی داؤد غزنوی صاحب اور مولوی حبیب الرحمٰن صاحب ہوں، گویا ہم ان سے جو مطالبہ کرتے ہیں اس سے زیادہ پابندی اپنے پر لگاتے ہیں۔ ان میں خلیفہ کوئی نہیں اور نہ ہی کوئی خلافت باقی ہے لیکن جماعت احمدیہ کی طرف سے خلیفہ ہوگا اور ذمہ دار ارکان ہوں گے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خاندان کے مرد ممبر ہوں گے اور اس کے مقابلہ میں ان کے صرف پانچ لیڈر میں نے ضروری رکھے ہیں۔ باقی جن کو بھی وہ اپنا نمائندہ بنا کر لائیں گے ہم ان کو مان لیں گے۔ اس مباہلہ میں تقریروں کا بھی اتنا سوال نہیں کیونکہ یہ کوئی مسئلہ نہیں بلکہ واقعات ہیں اور صرف پندرہ منٹ اپنے عقیدہ کے بیان کے لئے کافی ہیں۔ پندرہ منٹ میں ہم اپنا عقیدہ بیان کر دیں گے اور اتنے ہی عرصہ میں وہ کہہ سکتے ہیں کہ جو یہ کہتے ہیں غلط ہے حقیقتاً یہ ایسا نہیں مانتے۔ اس میں دلائل وغیرہ کی بھی کوئی ضرورت نہیں۔ لمبی تفصیلات کی ضرورت مسائل میں ہوتی ہے لیکن یہ مباہلہ واقعہ کے متعلق ہے۔ وہ کہتے ہیں احمدی رسول کریم ﷺ کی ہتک کرتے ہیں اور مکہ مکرمہ کی عزت نہیں کرتے۔ اور ہم کہتے ہیں یہ غلط ہے۔ باقی رہے مباہلہ میں شامل ہونے والے آدمی سو ہم نے کسی چھوٹی موٹی جماعت کو چیلنج نہیں دیا بلکہ آٹھ کروڑ مسلمانانِ ہند کی واحد نمائندہ جماعت کو دیا ہے اور اتنی بااثر جماعت پانچ سَو یا ہزار آدمی ایک محلّہ سے جمع کر سکتی ہے۔ ہاں اپنی جماعت کے دوستوں کی سہولت کے لئے میں یہ کہتا ہوں کہ مباہلہ کے دن کے فیصلہ کا اعلان پندرہ روز پہلے ضرور ہو جانا چاہئے کیونکہ ہماری جماعت کے دوست دُور دُور سے اِس میں شامل ہونے کی خواہش کریں گے اس لئے جس وقت اُن کا آدمی ہمارے آدمی سے گفتگو کرے اور ضروری امور کا تصفیہ ہو جائے، اس کے پندرہ روز بعد مباہلہ ہو۔ انکی مزید سہولت کے لئے میں اپنے نمائندے بھی مقرر کر دیتا ہوں اور لاہور کی جماعت کے امیر شیخ بشیر احمد

صاحب ایڈووکیٹ ہائی کورٹ ، چوہدری اسد اللہ خان صاحب بیرسٹر اور مولوی غلام احمد صاحب مبلّغ کو اپنا نمائندہ مقرر کرتا ہوں ۔احرار کے لیڈر اِن سے گفتگو کر سکتے ہیں اور اس گفتگو کے پندرہ روز بعد مباہلہ ہو جائے ۔اُس دن مَیں اِنْشَاءَ اللّٰہ لاہور پہنچ جاؤں گا ۔

اِس کے بعد میں ایک اور جھوٹ کی قلعی کھولنا چاہتا ہوں جو ہمارے خلاف بولا جا رہا ہے اور وہ مسجد شہید گنج کی ایجی ٹیشن کے متعلق ہے ۔اس میں احمدیوں کو تین صورتوں میں پیش کیا جا رہا ہے ۔ ایک تو یہ کہا جاتا ہے کہ تمام فساد احمدیوں نے کرایا ہے انہوں نے مسلمانوں کے لیڈروں یعنی مولوی ظفر علی صاحب ،سید حبیب صاحب ، ملک لعل خانصاحب ، میاں فیروز الدین صاحب اور دوسرے کارکنوں کو روپیہ دے کر خرید لیا اور یہ واقعہ شروع کرایا ۔سو اول تو یہ بات عقلاً درست نہیں ہوسکتی ۔ اس لئے کہ اگر ہم مسلمانوں کے راہنماؤں کو خرید بھی لیتے تو بھی جب تک سکھوں کو نہ خریدا جاتا یہ واقعہ شروع نہیں ہوسکتا تھا ۔کیونکہ اگر سکھ مسجد کے گرانے کا فیصلہ نہ کرتے یہ لوگ کیا کر سکتے تھے ۔پس مسلمان راہنماؤں کو خریدنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے سکھوں کو بھی خریدا اور انہیں کہا کہ وہ مسجد کو گرائیں تا کہ یہ مسلمان لیڈر مسلمانوں میں جوش پیدا کر سکیں ۔پھر یہ بھی کافی نہیں ۔اس سکیم کے پورا کرنے کے لئے یہ بھی ضروری تھا کہ ہم حکومت کو بھی خرید لیں کیونکہ اس فساد کے بڑھنے میں حکومت کی بعض غلطیوں کا بھی دخل ہے پس تسلیم کرنا ہوگا کہ ہم نے حکومت کو بھی آمادہ کیا کہ وہ غلطیاں کرے تا جوش پیدا ہو مگر یہ بھی کافی نہیں ۔ان تینوں طاقتوں کے مل جانے سے بھی احرار کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا تھا ۔اگر سکھ مسجد گراتے ،حکومت غلطیاں کرتی ،مسلمان لیڈر شور مچاتے لیکن احرار اسلام کی محبت کا نمونہ دکھاتے تو مسلمانوں میں ان کے خلاف جوش کس طرح پیدا ہوسکتا تھا ۔پس یہ سکیم تب مکمل ہوتی تھی اگر ہم احرار کو بھی خرید لیتے اور ان سے کہتے کہ تم اِس وقت خاموش رہنا تا کہ مسلمان تم کو دشمنِ اسلام سمجھ کر تمہارے مخالف ہو جائیں ۔غرض اِس الزام کے یہ معنی ہیں کہ ہماری طرف سے چار سَو دے ہوئے تب جا کر یہ مسئلہ حل ہوا ۔سکھ ،مسلمان ، گورنمنٹ اور خود احرار سب کو ہم نے خرید لیا لیکن اتنی باتوں کی بجائے یہ بھلے مانس اتنا کیوں نہیں مان لیتے کہ احمدیوں نے خدا تعالیٰ کے فضل کو خرید لیا ۔گو وہ ہمارا مالک اور آقا ہے مگر پھر بھی وہ کبھی کُنْ کو اپنے بندوں کے سپرد بھی کر دیا کرتا ہے ۔ یا پھر یوں کہہ لو کہ احمدیوں نے اپنے آپ کو خدا کے ہاتھ بیچ دیا اور ظاہر ہے کہ اپنی چیز کو کون لوٹنے دیا

کرتا ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام کے متعلق مفسرین نے لکھا ہے کہ جب وہ مچھلی کے پیٹ میں سے نکلے تو بہت ضعیف تھے۔ انہوں نے اپنی قوم کو عذاب کی خبر دی تھی مگر قوم کے لوگوں نے توبہ کی جسے اللہ تعالیٰ نے قبول کرلیا اور عذاب ٹل گیا۔ اُن کو اِس سے بہت صدمہ ہؤا اور خیال کیا کہ جب میں ان لوگوں کے سامنے جاؤں گا تو وہ کہیں گے پیشگوئی پوری نہیں ہوئی اور تُو جھوٹا ہے اِس لئے وہاں سے چلے گئے۔ یہ ایک لمبا واقعہ ہے جس کے بیان کرنے کی یہاں ضرورت نہیں۔ بہر حال واقعہ کے آخر میں مفسر بیان کرتے ہیں کہ مچھلی نے اُنہیں نگل لیا اور پھر اللہ تعالیٰ نے ایسے سامان پیدا کر دیئے کہ اُس نے ان کو صحیح سلامت اُگل دیا۔ جہاں آپ اُگلے گئے وہاں ایک چٹیل میدان تھا جس میں کوئی سایہ وغیرہ بھی نہ تھا۔ اور آپ اِس قدر کمزور تھے کہ آرام حاصل کرنے کے لئے سفر کر کے دوسری جگہ جانے کے ناقابل تھے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ایسا سامان کیا کہ وہیں ایک بیل پیدا ہوگئی یا پہلے سے موجود تھی اور جلد جلد بڑھ گئی۔ اور آپ نے اس کے سایہ میں بہت آرام پایا لیکن جب آپ کے جسم میں کچھ کچھ طاقت معلوم ہونے لگی تو ایک کیڑے نے اُسے کاٹ دیا۔ وہ خشک ہونے لگی اور سایہ جاتا رہا۔ اِس پر آپ نے کہا کہ خدایا! یہ کیڑا سزا کا مستحق ہے مجھے اس بیل کا کتنا آرام تھا جسے اس نے کاٹ دیا۔ اِس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں الہام کیا کہ دیکھو! یہ بیل کیا حیثیت رکھتی ہے اس کے کاٹے جانے پر تم نے اتنا درد محسوس کیا پھر تم کس طرح امید رکھتے ہو کہ ایک لاکھ انسان جو توبہ کر چکے تھے میں انہیں ہلاک کر دیتا۔ اگر تمہیں بیل پر اتنا صدمہ ہؤا ہے تو مجھے ان کا کیوں درد نہ ہوتا۔ حضرت یونس علیہ السلام اس سے حقیقت کو سمجھ گئے اور اپنے وطن کو واپس چلے گئے۔ پس احراری اتنی لمبی چوڑی خرید وفروخت کے سلسلہ کی بجائے یہی کیوں نہیں سمجھ لیتے کہ احمدیوں نے دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے ہی یہ سب سامان پیدا کر دیئے۔ اس کے بے گناہ بندوں پر ظلم ہو رہا تھا اللہ تعالیٰ نے سکھوں کے دل میں تحریک کی کہ مسجد کو گراؤ۔ مسلمانوں کے اندر غیرت پیدا کی، گورنمنٹ سے غلطیاں کرائیں اور احرار کو گھروں میں بٹھا دیا۔ نتیجہ یہ ہؤا کہ خدا نے انکے قدم اُکھاڑ دیئے اور آج چاروں طرف سے ان کو گالیاں مل رہی ہیں ہم پر خواہ مخواہ وہ کیوں الزام لگا رہے ہیں۔

میں یہ باتیں سنتا تھا اور خاموش تھا۔ میں اِس کی ضرورت نہ سمجھتا تھا کہ کوئی جواب دوں اور اس طرح اس شورش میں ایک اور شورش پیدا کر دوں مگر حکومت کے بعض عُمّال اور احرار نے مجھے مجبور کر

دیا ہے کہ آخر میں بھی اس کے متعلق کچھ بولوں۔ حکومت کا ایک ذمہ دار افسر ایک ایسے شخص کے پاس جو اِن دنوں نظر بند ہے پہنچا اور اُسے کہا کہ آپ نے جو اپنی فلاں تقریر میں ہز ایکسی لنسی کو امر سنگھ کہا تھا، یہ کیا آپ کو احمدیوں نے سکھایا تھا؟ اُس نے اِس بات کا ذکر ایک احمدی سے کیا جس نے آج مجھے یہ بات سنائی۔ اسی طرح مجھے شملہ سے ایک خط آیا ہے کہ ہماری جماعت کے ایک معزز رُکن ایک ذمہ دار انگریز افسر سے ملنے گئے۔ اس افسر نے کہا کہ آیئے کیسے آئے؟ انہوں نے کہا آپ ہمارے دوست ہیں اس لئے ملنے آ گیا۔ اُس افسر نے کہا کہ یہ صحیح ہے میں آپ کا دوست تھا مگر معلوم نہیں آئندہ بھی ایسا رہ سکوں یا نہیں کیونکہ پنجاب گورنمنٹ کے افسروں سے گپ شپ کرتے ہوئے جماعت احمدیہ کے متعلق بعض عجیب باتیں سننے میں آ رہی ہیں۔ اسی طرح انگلستان سے خطوط آئے ہیں ان میں ایسی رپورٹوں کا ذکر ہے جن میں بِلا وجہ ہم پر الزام تراشے گئے ہیں۔ ان حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ حکومت کے بعض افسر خواہ مخواہ ہم پر شہید گنج کے ایجی ٹیشن کا الزام لگا رہے ہیں اور بعض خلافِ اخلاق باتوں کو ہماری طرف منسوب کر رہے ہیں۔ میں پہلے امر سنگھ والی بات کو لیتا ہوں۔ میں وہاں موجود نہ تھا نہ مجھے کوئی معتبر روایت پہنچی ہے کہ ایسا ہوا۔ مگر بہر حال کہا جاتا ہے کہ ایک شخص نے ہز ایکسی لنسی کی نسبت امر سنگھ کا لفظ استعمال کیا۔ اگر کسی شخص نے ایسا کیا تو ہمارے نزدیک اس نے سخت غلطی کی۔ اختلاف خواہ کس قدر ہو گالیاں دینا کسی صورت میں جائز نہیں ہوسکتا۔ بعض دفعہ حقیقت کے اظہار کے لئے عیوب بیان کرنے پڑتے ہیں مگر نام بگاڑنا درست نہیں ہوسکتا۔ ہماری جماعت کی تعلیم واضح ہے ہم گالیوں، استہزاء اور تمسخر کو جائز ہی نہیں سمجھتے۔ اس میں شبہ نہیں کہ پنجاب گورنمنٹ کے بعض افسروں سے ہمارا اختلاف ہے۔ انہوں نے ہم پر بلا وجہ سختی کی اور جماعت کو بدنام کرنے کی کوشش کی ہے مگر ہم نے آج تک ہز ایکسی لنسی کو کبھی اس میں ملوث نہیں کیا۔ لیکن وہ تمام زیادتیاں جو ہم پر کی گئی ہیں اگر ثابت بھی ہو جائے کہ سب ان کی طرف سے ہی ہیں، تب بھی ہمارا اصول یہی ہے کہ ہم تحقیر آمیز الفاظ استعمال نہیں کرتے۔ اگر کسی نے یہ فعل کیا ہے تو ہم اسے حد درجہ اخلاق سے گرا ہوا سمجھتے ہیں اور اگر کوئی احمدی گورنر کے متعلق اِس قسم کا لفظ استعمال کرے اور گورنر کے لئے ہی نہیں کسی کے لئے بھی ایسا لفظ استعمال کرے تو ہم اسے نہایت ہی گرا ہوا فعل کہیں گے۔ میں عَـلَـی الْاِعْلَانْ کہتا ہوں کہ اس لفظ کے استعمال کی یا اور کسی سخت لفظ کے استعمال کی تحریک

ہماری طرف سے نہیں کی گئی اور نہ ہمیں اس کا قبل از وقت علم تھا اور نہ بعد میں ہمیں یقینی علم ہوا جو کچھ اس بارہ میں معلوم ہے صرف افواہ ہے۔ پس اگر کوئی کہتا ہے کہ ہم میں سے کسی نے کسی کو ایسی بات سکھائی ہے تو وہ آئے اور خدا تعالیٰ کی قسم کھائے کہ اسے یا اور کسی کو احمدیوں نے ایسا سکھایا تھا۔ اور یہ کہ اگر وہ جھوٹ بولتا ہو تو خدا تعالیٰ کا عذاب اُس پر اور اُس کے بیوی بچوں پر نازل ہو۔ ہمارا طریق بادشاہ اور ان کے نمائندوں کے متعلق ادب اور احترام کا رہا ہے اور اِنْشَاءَ اللّٰہُ رہے گا کیونکہ ہمیں ہمارے مذہب کا حکم ہے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے فرعون کی طرف بھیجا تو ہدایت فرمائی کہ قُوْلَا لَہٗ قَوْلًا لَّیِّنًا[1] وہ ہمارا اپنا بنایا ہوا بادشاہ ہے۔ اس لئے اس سے نرم باتیں کرنا۔ پس اس تعلیم کے ہوتے ہوئے یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ ہم ان کے لئے جنہیں ملک معظّم نے اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا ہوا ہے خواہ ہمیں ان سے اختلاف ہی کیوں نہ ہو، اخلاق اور ادب سے گرا ہوا کوئی لفظ استعمال کریں۔ معلوم ہوتا ہے کسی افسر نے اپنی چودھراہٹ اور ہز ایکسی لنسی کو یہ کہنے کے لئے کہ حضور! ایسی بات کہی گئی تھی مگر ہم نے اس کا ازالہ کرا دیا ہے ہم پر یہ الزام لگا دیا ہے۔ مجھے تو بڑوں کا ادب کرنے کی اِس قدر تلقین کی گئی تھی کہ میں اِس کے خلاف چل ہی نہیں سکتا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے چچیرے بھائی جس قدر مخالفت سلسلہ کی کرتے تھے وہ ظاہر ہے۔ انہوں نے دیوار بنا کر مسجد کا رستہ روک دیا، سقّوں کو پانی بھرنے اور حجاموں کو حجامت بنانے سے منع کر دیا، کمہاروں کو منع کر دیا کہ ان کے لئے برتن نہ بناؤ۔ اور بھی طرح طرح کے ظلم کرتے رہتے تھے لیکن باوجود اس کے بچپن میں مَیں نے ایک دفعہ میرزا نظام الدین صاحب کے متعلق کوئی بات کرتے ہوئے صرف نظام الدین کہہ دیا تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام سخت ناراض ہوئے اور فرمایا وہ تمہارے چچا ہیں، تمہارے لئے یہ مناسب نہیں کہ اس طرح اُن کا نام لو۔ پس جن لوگوں کو بچپن سے یہ تعلیم دی جا رہی ہو وہ ہز ایکسی لنسی کے متعلق ایسے الفاظ استعمال ہی کیسے کروا سکتے ہیں۔ بچپن سے میں تقریریں کرتا ہوں اور کتابیں لکھتا رہا ہوں۔ تقریریں بھی چھپی ہوئی ہیں، اشتہار اور ٹریکٹ وغیرہ بھی میری طرف سے چھپتے رہتے ہیں۔ لیکن کیا کوئی یہ بات ثابت کر سکتا ہے کہ میں نے شدید سے شدید مخالف کا نام بھی اس رنگ میں لیا ہے جس میں بے ادبی پائی جاتی ہو۔ مولوی ثناء اللہ صاحب ہمارے کتنے مخالف ہیں مگر کوئی نکال کر تو دکھائے کہ میں نے کبھی انہیں صرف ثناء اللہ ہی کہا ہو۔ مولوی ظفر علی

صاحب کا اخبار ہمیشہ میرا نام بگاڑ کر لکھتا ہے مگر کوئی دکھائے کہ میں نے بھی اس رنگ میں ان کا نام لیا ہو۔ ابھی میں نے احراری مولویوں کے نام لئے ہیں مگر سب کے پہلے القاب اور بعد میں صاحب کا لفظ استعمال کیا ہے۔ پس اس قسم کی کمینہ بات ہماری طرف منسوب کرنا بتاتا ہے کہ بعض افسروں کے دلوں میں ہمارے متعلق انتہاء درجہ کا بُغض ہے۔ اس سے پہلے ایک اور وجہ شبہ کی بھی پیدا ہوئی تھی ایک ذمہ دار افسر نے جن کا نام میں نہیں لیتا لیکن وہ جب یہ خطبہ پڑھیں گے تو سمجھ جائینگے اور ان پر میں خفا بھی نہیں کیونکہ ہر شخص کو اپنے عُہدے کے مطابق کام کرنا پڑتا ہے، ایک معزز احمدی سے کہا کہ اگر تم لوگ شہید گنج کے مسئلہ میں کوئی دلچسپی رکھتے ہو تو میں ایسے آدمی تمہیں بتا سکتا ہوں جو تمہارے حسبِ منشاء کام کر سکتے ہیں گویا وہ اس طرح معلوم کرنا چاہتے تھے کہ جماعت احمدیہ کا اس معاملہ میں کہاں تک دخل ہے اور آیا ایجی ٹیشن کرنے والوں سے احمدیوں کا تعلق ہے یا نہیں۔ وہ افسر صاحب ہمیشہ ہمارے ساتھ دوستی کا اظہار کرتے رہے ہیں اور اب بھی کرتے ہیں اور ہم بھی انہیں دوست ہی سمجھتے ہیں مگر واقعات کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ آخر ہم ان واقعات کو دیکھتے ہوئے ان دوستوں کو کیسا دوست سمجھیں۔ وہ بے شک کہتے ہیں ہم تو تمہارے دوست ہیں مگر ہم کہتے ہیں دوست کی کوئی علامت بھی تو ہونی چاہئے۔ ڈیڑھ سال سے ہمارے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے کیا یہ دوستی کی علامت ہے؟ اس دوستی کے متعلق تو ہم وہی کہہ سکتے ہیں جو فارسی کی ایک مثل میں کہا گیا ہے یعنی

مرا بخیر تو امید نیست بد مرساں

یعنی اے دوست! تمہاری نیکیوں اور بھلائیوں سے مَیں باز آیا۔ مہربانی کیجئے اور اتنا دُکھ تو نہ دیجئے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ نیچے سے چھوٹے افسر شرارت کر کے جھوٹ بول رہے ہوں مگر دوست سے ہمیں یہ امید رکھنی چاہئے کہ اگر خدا نے اسے بڑا درجہ دیا ہے تو وہ معاملہ کی تحقیق کر کے اصل معاملہ معلوم کرے۔ پس دوستی کی کوئی علامت ہونی چاہئے یہ بھی کوئی دوستی ہے کہ جونہی کوئی جھوٹی بات بھی کان میں پڑے جھٹ اُسے اربابِ حلّ وعقد کے سامنے پیش کر دیا جائے۔ خیر اب جب میں واقعات پر روشنی ڈالنے پر مجبور ہو گیا ہوں، میں اس کے متعلق بعض باتیں بیان کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔

پہلا سوال یہ ہے کہ اس قضیہ کے متعلق ہماری رائے کیا ہے جسے میں نے اب تک اس لئے ظاہر نہیں کیا کہ مصیبت کے وقت گورنمنٹ کو اور مشکلات میں کیوں ڈالوں۔ مگر اب وقت زیادہ گزر چکا

اور بات پُرانی ہوچکی ہے اس لئے اس کے اظہار میں کوئی حرج نہیں ۔ نیز بعض افسروں کے رویہ نے بھی اس کے اظہار پر مجبور کر دیا ہے ۔ شروع دن سے میری یہی رائے ہے کہ حکومت نے اس بارہ میں بہت سی غلطیاں کی ہیں اگر تو یہ مسجد پہلے سے ہی گر چکی ہوتی تو اور بات تھی سکھوں کے زمانہ میں ہی اگر یہ گرائی جا چکی ہوتی اور اس پر کوئی اور عمارت تعمیر ہو چکی ہوتی تو ایسے حالات میں شریعت نے یہی حکم دیا ہے کہ سوئے ہوئے فتنہ کو بیدار نہ کرو ۔ مگر یہ مسجد قائم تھی اور ایسی صورت میں قائم تھی کہ سکھ اپنے عہدِ حکومت میں بھی اسے نہ گرا سکے تھے ۔ یہ سب باتیں اخبارات میں بِالوضاحت آ چکی ہیں اور میں ان تفاصیل میں پڑنا غیر ضروری سمجھتا ہوں ۔ میرا یہ پختہ خیال ہے کہ یہ مسجد تھی اور ایسی مسجد جسے سِکھ اپنی حکومت کے زمانہ میں بھی نہ گرا سکے تھے اور اس کی وجہ خواہ یہی ہو کہ سکھ اِس بات کو اپنے لئے زیادہ قابلِ فخر سمجھتے ہوں کہ مسجد اپنی اصلی صورت میں ان کے قبضہ میں رہے یا کوئی اور ہو ۔ بہر حال یہ حقیقت ہے کہ مسجد اپنی اصلی شکل میں قائم تھی اور اگر گرائی نہیں گئی ۔ اور اب اس کے گرائے جانے پر حکومت کا یہ توقع رکھنا کہ مسلمانوں میں اشتعال پیدا نہ ہو، ایک ایسی توقع ہے جس کی مثال بہت کم مل سکتی ہے ۔ اور ایسی ہی بات ہے جیسے حافظ مرحوم نے کہا ہے کہ ع

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردۂ
باز میگوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

یہ ایسی ہی امید تھی جیسے کسی کو دریا میں قید کر کے یہ امید رکھی جائے کہ اُس کا دامن تر نہ ہو ۔ وہ مسجد جو مسجد ہی کی صورت میں سینکڑوں سال سے قائم تھی اور ایسے شہر میں تھی جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے، ایسے صوبہ میں تھی جہاں کی اکثر آبادی مسلمان ہے، ایسے محلّہ میں تھی جہاں مسلمانوں کی آمد و رفت بکثرت تھی اسے مسلمانوں کی آنکھوں کے سامنے گرانا اور پھر امید رکھنا کہ ان کے دل میں درد پیدا نہ ہو فطرتِ انسانی کے خلاف توقع ہے ۔ فرض کرو سارے صوبہ میں ایک ہی مسلمان ہوتا تو اُسے بلا کر کہا جا سکتا تھا کہ تمہیں دُکھ تو ضرور ہو گا مگر صبر کر لو لیکن جب مسلمان پنجاب میں کروڑ سے زیادہ ہیں ان میں تعلیم یافتہ بھی ہیں اور غیر تعلیم یافتہ بھی، بے غیرت بھی ہیں اور غیرت مند بھی، ٹھنڈی طبیعت والے بھی ہیں اور جوش والے بھی، صدمہ کو برداشت کر لینے والے بھی ہیں اور اس امر کی طاقت نہ رکھنے والے بھی ۔ تو پھر ان کی آنکھوں کے سامنے ایک اشتعال انگیز فعل کئے جانے کی

اجازت دے کر ایک ایسی جگہ میں جس پر ان کی نظریں ہر وقت پڑ سکتی تھیں اور جس کی خبریں انہیں ہر وقت ملتی تھیں پھر امید یہ رکھنا کہ مسلمان صبر سے کام لیں بتاتا ہے کہ حکومت کے موجودہ افسروں نے فطرتِ انسانی کا پوری طرح مطالعہ نہیں کیا۔ وہ قانون کو فطرت پر حاکم سمجھتے ہیں حالانکہ فطرت قانون پر حاکم ہے۔ حکومت کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ وہ امن کا قیام چاہتی تھی اور میں اسے صحیح تسلیم کرتا ہوں مگر سوال یہ ہے کہ امن انسانی فطرت کے ساتھ کھیلنے سے قائم ہوتا ہے یا اس کا احترام کرنے سے؟ ہم سمجھتے ہیں پنجاب گورنمنٹ میں اکثریت ایسے لوگوں کی تھی جو امن کا قیام چاہتے تھے۔ دو تو ان میں مسلمان ہی ہیں ان کے متعلق یہ کس طرح خیال کیا جا سکتا ہے کہ وہ چاہتے ہوں کہ آؤ اپنی قوم کے جذبات سے کھیلیں۔ اسی طرح انگریز افسروں کو کوئی جنون تو نہیں تھا کہ وہ خواہ مخواہ فساد کرا کر شغل دیکھنا چاہتے تھے اس لئے میں ان لوگوں سے متفق نہیں ہوں جو یہ کہتے ہیں کہ یہ کارروائی جان بوجھ کر فساد ڈلوانے کے لئے کی گئی ہے مگر میں اس کا انکار نہیں کر سکتا کہ یہ غلطی تھی اور بہت بڑی غلطی۔ کئی غلطیاں بعض اوقات خطرناک نتائج پیدا کرتی ہیں اور یہ غلطی بھی ایسی ہی تھی۔ مسلمانوں کے جذبات کا صحیح اندازہ نہیں لگایا گیا اور خیال کر لیا گیا کہ سکھ اپنی ایک مقبوضہ عمارت گرا رہے ہیں اس میں حکومت خواہ مخواہ کیوں دخل دے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ صبر سے کام لیں اس سے آگے ذمہ دار افسروں کا دماغ نہیں گیا۔ پھر اس بارہ میں سخت غلطی کی گئی ہے کہ اسے سکھوں کی جائداد سمجھ لیا گیا۔ اگر تو اِس مسجد کو سکھوں کے زمانہ میں ہی گرا کر گوردوارہ یا سرائے یا کسی اور عمارت میں تبدیل کر دیا جاتا تو یہ کسی کی جائداد ہو سکتی تھی ورنہ مسجد کسی کی جائداد نہیں ہو سکتی۔

اِس جگہ میں یہ بھی بیان کر دینا چاہتا ہوں کہ مساجد کے بارہ میں عام مسلمانوں سے ہمارے بعض عقائد مختلف بھی ہیں اور اس اختلاف کے اظہار سے میں آج بھی نہیں ڈرتا۔ میرا عقیدہ ہے کہ غیر آباد مسجد کو دوسری جگہ تبدیل کیا جا سکتا ہے مثلاً پہلے ایک محلّہ مسلمانوں کا تھا اور وہاں مسجد تھی مگر رفتہ رفتہ ہندوؤں نے اُس محلّہ کے تمام مکانات خرید لئے اور اب وہاں مسلمان نہیں رہتے مسجد غیر آباد پڑی ہے اور اُس میں جانور اور پرندے وغیرہ نجاست کرتے رہتے ہیں تو اُسے بیچ کر اس سے دوسری مسجد بنا لینا جائز ہے۔

دوسرے میرا عقیدہ ہے کہ حکومتِ وقت کسی رفاہِ عام کی ضرورت کے ماتحت مسجد کے کسی حصہ کا

بدلہ دے کر اُسے آگے پیچھے کر سکتی ہے مگر ایسی ضرورت رفاہِ عام کی ہونی چاہئے ۔ مثلاً کوئی اہم سڑک ہے جس پر پبلک کی صحت کا انحصار ہے حکومت مکانات خرید کر اس میں شامل کرتی آ رہی ہے اور آگے مسجد آ جاتی ہے تو حکومت مسجد کے پیچھے والا مکان اس میں شامل کر کے مسجد کو پیچھے کر سکتی ہے بشرطیکہ ایسی مسجد شعائر اللہ میں سے نہ ہو۔ جیسے مثلاً ہماری مساجد ہیں یا وہ مساجد جن میں حضرت نظام الدین اولیاءؒ، حضرت معین الدین چشتیؒ، حضرت داتا گنج بخشؒ اور دوسرے بزرگ عبادتیں کرتے رہے ہیں۔ ایسی مساجد ان بزرگوں کی وجہ سے خاص برکت رکھتی ہیں ۔ گو اہلحدیث ایک حدیث کی بناء پر کہ خانہ کعبہ، مدینہ منورہ اور بیت المقدس کے سِوا کسی مسجد کی طرف سفر کر کے جانا درست نہیں ، خیال کرتے ہیں کہ ان تین مساجد کے سِوا شعائر اللہ والی مسجد کوئی نہیں مگر دوسرے لوگوں کا یہ عقیدہ نہیں اور ہم لوگ اس حدیث کا یہ مطلب نہیں سمجھتے اور ہمارے نزدیک گو خانہ کعبہ اور مسجد نبوی جیسی بابرکت اور کوئی مسجد نہیں ہوسکتی لیکن ان کے تابع علیٰ قدرِ مراتب دوسرے بزرگوں نے جن مساجد میں عبادت کی ہو اُن کی دعاؤں کی وجہ سے ہمارے نزدیک ان مساجد میں بھی برکات ہوتی ہیں اور وہ بھی محفوظ رکھے جانے کے قابل ہیں اس لئے ایسی مساجد کو چھوڑ کر عام مساجد کے متعلق میرا عقیدہ ہے کہ اُن میں اس قسم کی تبدیلی جائز ہے جس کی میں صراحت کر چکا ہوں ۔

تیسرے میرا عقیدہ یہ ہے کہ جس عبادتگاہ کو گرا کر اُسے دوسری شکل دے دینے پر ایک لمبا عرصہ گزر چکا ہو اُس کے متعلق کسی قسم کی شورش کرنا درست نہیں کیونکہ اَلْفِتْنَۃُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ کے ارشاد کے مطابق فتنہ پیدا کرنا قتل سے بھی سخت ہے ۔ اُس وقت کے لوگ اگر شور کرتے جن کے زمانہ میں گرائی گئی تو وہ حق بجانب ہوتے مگر ایک لمبے عرصہ کے بعد اس کے متعلق شورش فتنہ پیدا کرنے کے مترادف ہے بشرطیکہ ایسی مسجد شعائر اللہ میں سے نہ ہو۔ شعائر اللہ سے تعلق رکھنے والی مسجد کے متعلق تو ہر زمانہ میں پروٹیسٹ کیا جا سکتا ہے اور کیا جانا چاہئے لیکن عام عبادت گاہوں کے متعلق سالہا سال بعد یہ سوال اُٹھانا کہ اسے گرا کر دوبارہ اصلی صورت میں تبدیل کیا جائے خواہ مخواہ کا فتنہ پیدا کرنا ہے اور یہ جائز نہیں ۔ ایسے امور کے متعلق میں یہی کہوں گا کہ جو چیز جس شکل میں ہے، اُسی میں رہنے دی جائے ۔ مسلمانوں نے اگر اپنے زمانہ میں کوئی زیادتی کی تو سکھوں نے اپنے زمانہ میں کر لی ۔ عوض معاوضہ گلہ ندارد ۔ لیکن یہاں اِن تینوں میں سے کوئی بھی صورت نہیں تھی ۔ وہ مسجد قائم تھی اور

اب گرائی گئی۔اس پر مسلمان جب تک پروٹیسٹ کرتے رہیں گے اس کا دوبارہ بنانا جائز ہوگا لیکن اگر ان کے جوش ٹھنڈے ہو گئے اورانہوں نے خیال کرلیا کہ جو ہونا تھا وہ ہو گیا اس کے بعد پھراس سوال کو اُٹھانا جائز نہ ہوگا۔

چوتھا فرق یہ ہے کہ میرا عقیدہ ہے کہ مسجد کے ملحقات اس میں شامل نہیں ہوتے مثلاً غسلخانے، وضو کی جگہیں، یا بعض لوگ مساجد کے ساتھ لائبریریاں بنا دیتے ہیں یہ مسجد کا حصہ نہیں اور انہیں تبدیل کیا جاسکتا ہے۔اگر تو ایسی چیزیں وقف ہیں تو تبدیل کرنے والے کو چاہئے کہ ان کا بدلہ دے اور اگر کسی کی اپنی جائداد ہے تو وہ اسے لے سکتا ہے۔کیونکہ مساجد تو کسی کی جائداد نہیں ہوسکتیں مگر ملحقات ہوسکتے ہیں۔پس مساجد کے بارہ میں عام مسلمانوں سے میرے عقائد میں یہ اختلاف ہے اوراسی لئے جب کانپور کی مسجد کا واقعہ ہوا تو میں نے حکومت کی تائید کی اور اس پر مخالفوں کی طرف سے بہت گالیاں کھائیں۔لاہوری فریق نے مجھے اُس زمانہ میں بہت گالیاں دیں اِس وجہ سے کہ میں نے کہا تھا کہ غسل خانہ مسجد کا حصہ نہیں اور آج بھی میرا یہی عقیدہ ہے۔آج بھی اگر کانپور کی مسجد جیسا کوئی واقعہ ہوتا تو میں حکومت کا ساتھ دیتا لیکن یہاں بالکل مختلف معاملہ ہے۔یہاں مسجد گرائی گئی ہے ایسی جگہ گرائی گئی ہے جہاں خواہ مخواہ مسلمانوں میں اشتعال پیدا ہوا اور ایسی صورت میں گرائی گئی ہے کہ اِس کا علاج ممکن تھا۔پس میری یہی رائے ہے کہ اس معاملہ میں حکومت نے سخت غلطی کی ہے اور یہ بھی میں نے اس وجہ سے کہا ہے کہ حکومت نے بِلا وجہ حملہ کر کے اور جھوٹے اتہام لگا کر مجھے مجبور کر دیا ہے۔حکومت سے میری مراد وہی چند ایک افسر ہیں جو بِلا وجہ ہمیں دِق کر رہے ہیں ورنہ حکومت میں اب بھی ایسے افراد ہیں جو اِن باتوں کو بُرا مناتے ہیں۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ اس میں ہم نے کتنا حصہ لیا۔اس کے متعلق ایک بات تو یہ ہے کہ گولی چلنے سے پہلے ہم نے ہرگز کوئی حصہ نہیں لیا۔یہ جھوٹ ہے کہ ہم نے اس بات کو اُٹھایا اور روپیہ دے کر جوش پھیلایا۔جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے ایسا خیال کرنا بھی حماقت ہے کیونکہ صرف مسلمان لیڈروں کو خرید کر یہ شورش پیدا کرانا ہی ناممکن ہے کُجا یہ کہ مسلمان، سکھ، احرار اور حکومت کو خریدا جائے۔پس یہ بات بالکل خلافِ واقعہ ہے لیکن اگر کوئی کہتا ہے کہ ہم نے ایسا کیا تو وہ آئے اور قسم کھا جائے۔ہاں جب مسجد گرائی گئی اور گولی چلی تو چونکہ ہمارا عقیدہ ہے کہ مسجد نہیں گرائی جانی چاہئے تھی اور حکومت کا فرض

تھا کہ اس کی حفاظت کرتی اور یہ صرف مسجد کے لئے ہی نہیں اگر کہیں کوئی گوردوارہ گرایا جاتا تو بھی سکھوں کا اسی طرح ساتھ دیتے جس طرح آج مسلمانوں کا دے رہے ہیں۔ کیونکہ قرآن کریم نے عبادت گاہوں کی حفاظت مسلمانوں کا خاص فرض قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر انبیاء نہ آتے تو لوگ تعصّب کی وجہ سے آپس میں ایک دوسرے کی عبادت گاہیں گرا دیتے۔[2] پس اگر کوئی مندر یا گوردوارہ یا گرجا بھی گرایا جاتا تو میں سمجھتا ہوں مسلمانوں پر فرض ہوتا کہ ان کے بچانے کی کوشش کرتے اور گرانے والوں کی مذمت کرتے۔ پس ہم نے ہمدردی اُس وقت شروع کی جب دیکھا کہ مسلمانوں کے جذبات پر ظلم ہوا ہے اور اس پر بھی اگر حکومت بُرا مناتی ہے تو ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ جب ایک مسجد گرائی جائے تو کس طرح ہوسکتا ہے کہ ہمارے دل زخمی نہ ہوں۔ پس ہمارے قلوب مجروح ہوئے ہیں اور اسی وجہ سے ہمارے اخبارات نے اس کے متعلق لکھا ہے اور یہ احرار کی مخالفت کی وجہ سے نہیں بلکہ مسجد سے ہمدردی کی وجہ سے لکھا ہے۔

دوسری بات اس کے متعلق میں یہ کہنی چاہتا ہوں کہ سِول نافرمانی کے ہم ہمیشہ سے مخالف رہے ہیں۔ اگر سِول نافرمانی کی جاتی تو ہم ضرور اس کی مخالفت کرتے۔ اور اب بھی اگر کی گئی تو جن پر ہمارا اثر پڑ سکے ہم انہیں یہی سمجھائیں گے کہ ایسا نہ کرو۔ اس کے باوجود اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ یہ سب کام ہم کرا رہے ہیں تو یہ اس کا جھوٹ اور افتراء ہے۔ ہم کسی ایسی تحریک میں نہ شامل ہوئے ہیں نہ ہوسکتے ہیں اور نہ ہوں گے اور جو شخص ایسی تحریکات کو ہماری طرف منسوب کرتا ہے وہ ہماری مذہبی ہتک کرتا ہے اور میں اس کے متعلق سوائے لَعۡنَةُ اللّٰهِ عَلَى الۡكَاذِبِيۡنَ کے اور کیا کہہ سکتا ہوں۔ اگر مسلمانوں میں واقعی سِول نافرمانی کی تحریک ہوئی تو گو احرار نے عام مسلمانوں پر سے ہمارے اثر کو زائل کرنے کی پوری پوری کوشش کی ہے مگر پھر بھی لجاجت سے، پیار سے، منت سے مسلمانوں کو اس سے باز رکھنے کی ہم پوری کوشش کریں گے۔ کانگرسی تحریکات کے زمانہ میں تو مسلمان ہماری ایسی باتوں کو قبول کر لیتے تھے لیکن اگر اب نہ کریں تو اس کی ذمہ داری حکومت پر ہوگی جس کی شہہ سے احرار نے لوگوں کو ہمارے خلاف بھڑکا دیا ہے۔

تیسری بات اِس کے متعلق یہ ہے کہ اس معاملہ میں ہم احرار کو سخت غلطی پر سمجھتے ہیں۔ ان لوگوں نے مسلمانوں سے دھوکا کیا۔ پس علاوہ اِس غصہ کے کہ انہوں نے بِلا وجہ ہماری مخالفت کی ہے اِس

تازہ واقعہ کی بناء پر بھی ہمیں ان پر غصہ ہے۔ پس اگر کوئی شخص احرار کی اِس دھوکا بازی کے خلاف لٹریچر شائع کرتا ہے اور ہم اس کی اشاعت میں مدد دیتے ہیں یا خریدتے ہیں تو اِس پر کسی کو اعتراض نہیں ہوسکتا۔ اور ہمارے بعض آدمیوں نے ایسا لٹریچر خرید کر شائع کیا ہے یا اس کے شائع ہونے میں مدد دی ہے اور میں اسے بُرا نہیں سمجھتا بلکہ میں اسے ایک قومی خدمت سمجھتا ہوں اور اگر کوئی آئندہ بھی ایسا کرے تو میں اسے درست سمجھونگا۔ وہ حکومت جو احرار کے گندے لٹریچر کو جو ہمارے خلاف چھپتا رہا ہے روک نہ سکی، اب اسے احرار کے خلاف لٹریچر شائع ہونا کیوں بُرا لگتا ہے۔ مگر اس سے زیادہ ہماری جماعت کے افراد نے کچھ نہیں کیا اور یہ بالکل جھوٹ ہے کہ ہم نے لوگوں کو خریدا ہوُا ہے۔ اس الزام پر بھی مَیں لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ کہتا ہوں۔

چوتھے میں سمجھتا ہوں کہ بغیر شورش اور فساد کے مسلمان مسجد کو واپس لے سکتے ہیں اور مجھے اس کا یقین ہے۔ میں اِس کے متعلق خاموش اِس وجہ سے تھا کہ اگر میں بولا تو احرار کہہ دیں گے کہ دیکھا سب کچھ یہی کرا رہے ہیں۔ اِس پر لوگ بھڑک اُٹھیں گے اور اس تحریک کو نقصان پہنچے گا لیکن آج بھی اگر کام کرنے والے یہ اعلان کر دیں کہ احمدیوں کا ساتھ ملنا ہمارے کام کو نقصان نہیں پہنچا سکتا تو ہم اُن کی ہر جائز مدد کرنے کے لئے تیار ہیں۔ صرف یہ ہوگا کہ قانون شکنی کی تحریک میں ہم شامل نہیں ہونگے، باقی ہم ہر قسم کی مدد کریں گے۔ خواہ وہ روپیہ کی ہو یا قانونی یا کسی اور رنگ کی۔ اور مجھے کامل امید ہے کہ قانون کے اندر رہتے ہوئے اسے واپس لیا جاسکتا ہے اور احمدیہ جماعت اس کوشش میں ہر قسم کی مدد کرنے کو تیار ہے بشرطیکہ کام کرنے والوں کو اس پر کوئی اعتراض نہ ہو۔ مسجد کے گرائے جانے پر ہمارے دلوں میں اس سے بہت زیادہ درد ہے جس کا میں نے اظہار کیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ بجائے اس کے کہ ہم نے شورش کو پیدا کیا ہو ہمارے دلوں میں دُکھ ہے کہ احرار کی شورش کے خیال سے ہم اسقدر اس نیک کام میں حصہ نہیں لے سکے جس قدر حصہ ہم لے سکتے تھے۔ ہم ڈرتے رہے ہیں کہ اگر ہم حصہ لے لیں گے تو احرار جھٹ شور مچا دیں گے کہ اِس کام کو احمدی کروا رہے ہیں اور اِس تحریک کو نقصان پہنچ جائے گا اور کئی لوگوں کو مسجد بُھول جائے گی اور ہمارا بُغض یاد آجائے گا۔ لیکن میں پھر کہتا ہوں کہ آج بھی اگر کام کرنے والے یہ اعلان کر دیں تو ہم ہر جائز مدد اور ممکن قربانی اس راہ میں کرنے کے لئے تیار ہیں۔ مجھے معلوم ہے بعض جگہ احمدیوں نے کچھ کام کیا ہے اور بعض نے مجھے

اس بارہ میں اطلاع بھی دی ہے مثلاً کسی نے اشتہار شائع کیا اور مدد طلب کی تو مدد دے دی یا اشتہار بھجوا دیئے تو احمدیوں نے بھی انہیں چسپاں کروا دیا جس طرح اور لوگوں نے چسپاں کروا دیا لوگوں میں تقسیم کروا دیا۔ چنانچہ قادیان میں ہی بعض احمدی آئے اور آتے ہوئے ساتھ اشتہار لیتے آئے جو یہاں چسپاں کر دیئے گئے۔ اس قسم کی امداد کئی احمدیوں نے کی ہے مگر یہ کوئی جُرم نہیں کہ قانون کی حد کے اندر جو اشتہار احرار کے خلاف شائع ہوں اُن کی اشاعت کی جائے۔ حکومت کا ان کو ضبط نہ کرنا بتاتا ہے کہ وہ انہیں خلافِ قانون نہیں سمجھتی۔ پس ایسے امور میں اگر احمدیوں نے انفرادی طور پر یا بہ حیثیت جماعت مدد کی ہو تو یہ کوئی حرج کی بات نہیں اور اسے میں نہ صرف جائز سمجھتا ہوں بلکہ پسند کرتا ہوں۔ لیکن یہ صریح جھوٹ ہے کہ یہ تحریک احمدیوں نے چلائی یا ناجائز افعال احمدیوں نے کرائے یا ان کو پسند کیا۔ گورنمنٹ کی غلطیوں کے سلسلہ میں مَیں یہ بھی کہہ دینا چاہتا ہوں کہ اس نے امن پسند لیڈروں کو مشکلات میں ڈال دیا اور وقت پر بُلا کر یہ نہ کہہ دیا کہ سِکھ نہیں مانتے، اب تم جو چاہو کر سکتے ہو۔ اس کا فرض تھا کہ وہ سکھوں سے کہہ دیتی کہ اگر تم نہیں مانتے تو جاؤ جو چاہو کرو۔ اور اسی طرح مسلمانوں سے بھی کہہ دیتی کہ جو چاہو کرو مگر جو قانون کو توڑے گا اسے ہم پکڑیں گے۔ یہ صریح ناانصافی ہے کہ سکھوں کے جتھے آتے ہیں تو اُن کو آنے دیا جاتا ہے مگر مسلمانوں کے جتھے روک دیئے جاتے ہیں۔ حالانکہ تھوڑا عرصہ ہؤا حکومتِ پنجاب ہمارے متعلق ایک ایسا فیصلہ کر چکی ہے جس کے مطابق اُسے مسلمانوں کو روکنے کا کوئی حق نہ تھا بلکہ چاہئے تھا کہ سکھوں کو روکتی۔ راولپنڈی کے ڈپٹی کمشنر نے وہاں کی جماعت کے سیکرٹری کو نوٹس دیا کہ غیر مبائعین نے تمہیں جو چیلنج دیا ہے اسے اگر تم نے منظور کیا تو تمہارے خلاف کارروائی کی جائے گی۔ اس پر ہماری طرف سے کہا گیا کہ نوٹس تو چیلنج دینے والے کو دیا جانا چاہئے تھا نہ کہ ہمیں۔ اس پر پنجاب گورنمنٹ کے ایک ذمہ دار افسر نے ہمارے ایک ذمہ دار نمائندے سے کہا کہ یہ اعتراض غلط ہے فساد چیلنج قبول کر لینے سے پیدا ہوتا ہے نہ کہ دینے سے۔ اگر حکومت کا یہ اصل صحیح ہے تو مسلمان جتھے بنا کر جا رہے تھے اگر سکھ الگ ہو کر کھڑے ہو جاتے کہ مسجد لے لو تو فساد کس طرح ہو سکتا تھا۔ فساد کی تو یہی صورت ہو سکتی تھی کہ سکھ کہتے ہیں ہم نہیں دیتے اور اس اصل کے ماتحت کہ جو چیلنج قبول کرے وہ فساد کرتا ہے، فساد کرنے والے سکھ تھے اس لئے کہ مسلمان تو چیلنج دے رہے تھے اور اس قاعدہ کے ماتحت حکومت کو چاہئے تھا کہ سکھوں کو

گرفتار کرتی۔ لیکن میرا خیال ہے کہ اس میں سکھوں کا بھی اتنا قصور نہیں اور ان پر اتنی ذمہ داری نہیں جتنی حکومت اور مسلمان لیڈروں پر ہے۔ مسلمان لیڈروں سے مراد ''تحفظِ مساجد'' والے نہیں بلکہ وہ لوگ ہیں جو پیچھے پیچھے جا کر افسروں سے کہتے تھے کہ ان لوگوں کی کیا حقیقت ہے، اصل ہم ہیں۔ ہم بڑے لوگ ہیں اور ہم ذمہ دار ہیں کہ کوئی فساد پیدا نہیں ہوگا۔ ایسے لوگ کونسل کے بعض ممبر اور جماعتِ احرار کے بعض لیڈر تھے انہی لوگوں نے جا جا کر حکومت کو یقین دلایا کہ فساد کا کوئی خطرہ نہیں ،ہم ذمہ دار ہیں۔

اب میں اِس سوال کو لیتا ہوں کہ ہم نے اس تحریک پر گیارہ لاکھ روپیہ صَرف کیا۔ اس میں قابلِ غور امر یہ ہے کہ یہ روپیہ آیا کہاں سے؟ یہ اعتراض سن کر مجھے ایک میراثی کا قصہ یاد آتا ہے۔ کہتے ہیں ایک رات ایک میراثی کے ہاں چور داخل ہؤا۔ چونکہ گھر میں کچھ نہ ملا وہ باؤلے کُتّے کی طرح اِدھر اُدھر پھرتا رہا۔ میراثی بھی جاگ رہا تھا مگر چادر کے اندر منہ لپیٹے پڑا تھا۔ پھرتے پھرتے چور کی نظر ایک سفید چیز پر پڑی جو اصل میں چاند کی روشنی تھی جو چھت کے ایک سوراخ سے چھن کر آرہی تھی۔ چور گھبراہٹ میں اُسے آٹا سمجھا اور اُس نے اپنی چادر بچھا کر چاہا کہ اس میں آٹا ڈال لے مگر جب ہاتھ مارا تو دونوں ہاتھ جوں کے تُوں آپس میں مل گئے۔ میراثی یہ نظارہ دیکھ کر ہنس پڑا اور کہنے لگا۔ ججمان! ہمیں تو یہاں سے کبھی دن کو کچھ نہیں ملا تم اندھیرے میں یہاں کیا تلاش کر رہے ہو۔ تو ہم پر ایک لاکھ چالیس ہزار قرض ہے، دو دو ماہ کی تنخواہیں لوگوں کو نہیں ملیں پھر یہ گیارہ لاکھ روپیہ کہاں سے آ گیا۔ بے شک تحریک جدید کا کام جاری ہے۔ اور اس میں روپیہ آتا ہے مگر اِس کا خرچ اِس وقت تک اکتیس ہزار کا ہے۔ اس میں سے بھی تین ہزار سے زائد پیشگیوں کا ہے۔ اس باقی روپیہ میں دفتر کا خرچ جو تین چار سَو ماہوار کا ہے شامل ہے۔ اسی روپیہ سے پانچ مشنری دوسرے ممالک کو بھیجے جا چکے ہیں، گیارہ ہندوستان میں تیار کئے جا رہے ہیں، تین تحصیلوں میں وسیع پیمانہ پر تبلیغ ہو رہی ہے، اور دس بارہ مبلّغ ان میں کام کر رہے ہیں۔ کئی اضلاع کی سروے ہو رہی ہے اور پندرہ سولہ آدمی اس کام پر لگے ہوئے ہیں، ایک اُردو اور انگریزی اخبار چلایا جا رہا ہے، ایک سندھی اخبار کی مدد کی جاتی ہے، اشتہارات اور مُفت لٹریچر تقسیم کیا گیا ہے یہ سب کام اس اٹھائیس انتیس ہزار میں ہؤا۔ پھر اس میں سے کس قدر رقم بچا کر شہید گنج کے فساد کے پیدا کرنے کے لئے نکالی گئی ہے۔ گیارہ لاکھ نہیں

کوئی شخص ہمیں سمجھائے کہ کیا اس قدر کام کے بعد گیارہ ہزار بھی بچا کر اس کام پر خرچ کیا جا سکتا ہے۔ احرار نے دو مبلّغ قادیان میں رکھ کر پچاس ہزار سے زائد کے چندہ کا حساب بے باق کر دیا ہے اور ہمارے متعلق وہ یہ خیال کرتی ہے اور بعض افسر اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ اٹھائیس ہزار سے ہم نے یہ سب کام بھی کیا اور پھر گیارہ لاکھ اس میں سے نکال کر مسجد شہید گنج کے ایجی ٹیشن پر بھی خرچ کر دیا۔ ''ایں چہ بوالعجیبست''۔

حکومت کے بعض افسر بیان کرتے رہے ہیں کہ احرار کو پندرہ ہزار ماہوار چندہ آتا ہے۔ کیا یہ لطیفہ نہیں کہ ہم تین ہزار ماہوار سے اس قدر بچت کرتے رہے بلکہ اصل سے بھی ہم نے رقم کو بڑھا لیا۔ لیکن احرار پندرہ ہزار ماہوار کے باوجود شہید گنج کے بارہ میں کچھ نہ کر سکے۔ جن لوگوں کے پاس پندرہ ہزار ماہوار آتا تھا وہ کیوں ہماری مزعومہ رشوتوں کا مقابلہ نہ کر سکے۔ احرار اور ان کے ہمنوا افسروں کو یاد رکھنا چاہئے کہ ہمارے پاس حسابات مکمل ہیں اور ہم یہ انہیں دکھا سکتے ہیں بشرطیکہ حقیقت کے ثابت ہونے پر حکومت ذمہ لے کہ اس کی طرف سے یہ اعلان کیا جائیگا کہ احرار نے بھی اور اس کے ان افسروں نے بھی جنہوں نے یہ الزامات لگائے تھے کہ یہ ایجی ٹیشن احمدیوں کے روپیہ پر چل رہا ہے، جھوٹے تھے۔ اور اگر احراری یا ایسے معترض افسر چیلنج کو قبول نہ کریں تو میں سوائے اس کے کیا کہہ سکتا ہوں کہ **لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ**۔

دوسرا الزام ہمارے متعلق یہ ہے کہ ہم نے سکھوں کو اُکسایا۔ اِس کا جواب ہمارے اور سکھ اخبارات کے تعلقات سے لگ سکتا ہے۔ اگر تو یہ ایک دوسرے کی تائید کرتے ہیں تو بات صاف ثابت ہے لیکن اگر یہ نہیں اور فِی الْوَاقعہ نہیں بلکہ سکھ اور احراری اخبار ایک دوسرے کی تائید کرتے ہیں تو لوگ خود دیکھ لیں پانی کہاں مرتا ہے۔

تیسرا اعتراض وہ ہے جس کا ذکر غالباً ایک احراری لیڈر نے سہارنپور یا منصوری میں ایک تقریر میں کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ سر چوہدری ظفر اللہ خان صاحب گورنر کے پاس گئے اور کہا کہ خدا کے لئے احرار کو چُپ کراؤ اور پھر گورنر نے یہ سب کچھ کرایا۔ یہ عجیب لطیفہ ہے کہ ایک طرف تو کہتے ہیں ہم نے سکھوں کو اُکسایا دوسری طرف کہتے ہیں حکومت کو اُکسایا۔ تیسری طرف کہتے ہیں مسلمانوں کو اُکسایا اور اِس کی چوتھی کڑی یہ ہے کہ احرار کو اُکسایا کہ خاموش رہو اور دفتر سے باہر قدم نہ رکھو۔

حکومت اچھی طرح جانتی ہے یہ بات غلط ہے یا صحیح۔ اگر تو صحیح ہے تو اسے چاہئے اعلان کر دے لیکن اگر غلط ہے تو اس کا فرض ہے کہ اسی طرح اس کی تردید کرے جس طرح چوہدری افضل حق صاحب کے بارہ میں ایک بیان کی کی تھی۔ اور وہ واقعہ اس طرح ہے کہ کسی اخبار میں کسی شخص نے لکھا تھا کہ چوہدری افضل حق صاحب نے جا کر گورنر صاحب سے کہا ہے کہ آپ جو کچھ کر رہے ہیں ٹھیک کر رہے ہیں۔ اس پر حکومت کی طرف سے فوراً اس کی تردید کی گئی۔ سوال یہ ہے کہ چوہدری افضل حق صاحب کی عزت بچانے کے لئے تو حکومت کو اس قدر فکر ہے مگر سر چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کے متعلق کیوں یہ فکر نہیں حالانکہ وہ حکومتِ ہند کے ممبر ہیں۔ پیر اکبر علی صاحب کے متعلق بھی ایسی باتیں کہی گئی ہیں اور ان کی بھی تردید نہیں کی گئی۔ اور جب حکومت کی یہ حالت ہو کہ وہ احرار کی عزت کی حفاظت کیلئے تو اِس قدر مُستعد ہو لیکن حکومتِ ہند کے ایک ممبر کے متعلق اتنا بھی احساس نہ رکھتی ہو، حالانکہ دونوں کے متعلق جو بات کہی گئی وہ ایک ہی قسم کی ہے تو اِس کا مطلب یہی ہوسکتا ہے کہ چوہدری صاحب نے یہ بات کہی ہے اس لئے اس کی تردید نہیں کی گئی۔ اور چوہدری افضل حق صاحب نے چونکہ نہیں کہی تھی اس کی تردید کی گئی مگر کیا یہ بات درست ہے؟ کیا واقعہ میں سر ظفر اللہ خان صاحب نے ہز ایکسی لنسی سے ملکر کوئی ایسی بات کہی تھی؟ لیکن چونکہ ہمارا علم یہی ہے کہ سر ظفر اللہ خان صاحب نے ہرگز ایسی بات نہیں کی پس ہم یہ سمجھنے میں مجبور ہیں کہ حکومتِ پنجاب کے ایک حصہ کی نظر میں حکومتِ ہند کے کامرس ممبر کی وہ عزت نہیں ہے جو چوہدری افضل حق صاحب کی ہے۔ حکومت اس خبر کی تردید کرے یا نہ کرے مَیں اِس کی تردید کرتا ہوں کہ ایسی کوئی بات نہ سر ظفر اللہ خان صاحب نے اور نہ کسی اور احمدی نے کہی اور اگر کوئی اِسکا مدعی ہے تو میں اُسے بھی چیلنج کرتا ہوں کہ وہ اِس کے متعلق حلفی بیان شائع کرے اور پھر دیکھے کہ خدا تعالیٰ اس کے ساتھ کیا معاملہ کرتا ہے۔

(الفضل ۱۹؍ستمبر ۱۹۳۵ء)

۱؎ طٰہٰ: ۴۵

۲؎ وَلَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّ صَلَوٰتٌ وَّ مَسٰجِدُ

(الحج: ۴۱)